القند فی ذکر علماء سمرقند (عربی)

مؤلف : نجم الدین عمر بن محمد نسفی

تقویم : نظر محمد الفاریابی

ناشر : مکتبۃ الکوثر - رابغ

صفحات : ۶۲۲

اشاعت : ۱۹۹۱ء

قیمت : درج نہیں

[سابق سوویت] وسطی ایشیا میں اسلام کا پیغام تو حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت (۶۴۴ء-۶۵۵ء) میں پہنچ گیا تھا، تاہم مسلمانوں کو اس خطے میں باقاعدہ سیاسی اثر ورسوخ اس وقت حاصل ہوا جب ولید بن عبدالملک کے عہد میں قتیبہ بن مسلم باہلی خراسان کا والی تھا۔ ۷۰۹ء میں سمرقند اسلامی قلمرو کا جزو بنا اور بخارا کے ساتھ یہ شہر آئندہ مسلم فتوحات اور تبلیغ واشاعتِ اسلام کا مرکز بن گیا۔ سمرقند نے صدیوں پر محیط مسلم اقتدار میں عروج و زوال کے کئی دور دیکھے ہیں۔ طاہریوں، صفاریوں اور بالخصوص سامانیوں کے عہد میں سمرقند کو تہذیبی اور سیاسی طور پر بڑی اہمیت حاصل رہی۔

سامانیوں کے بعد سمرقند قرہ خانیوں کے زیرِ نگین رہا۔ ان کے بعد گورخانی آئے اور ۱۲۰۹ء میں خوارزم شاہ محمد بن تکش نے گورخانیوں کو شکست دے کر اپنا اقتدار قائم کیا۔ خوارزم شاہ کے خوفناک حریف چنگیز خان (م ۱۲۲۷ء) نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور پھر دریائے جیحوں پار کر کے سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ مئی ۱۲۲۰ء میں سمرقند نے ہتھیار ڈال دیے، شہر لوٹ لیا گیا اور اس کے ان باشندوں کو جنھوں نے حملہ آوروں کی مزاحمت کی تھی، شہر بدر کر دیا گیا۔ سمرقند کی رونق ماند پڑ گئی اور جب ۱۳۰ سال بعد ابن بطوطہ سمرقند پہنچا (۱۳۵۰ء) تو اُسے کھنڈروں کے درمیان صرف چند گھر آباد نظر آئے۔

سمرقند کو ایک بار پھر رونق اور خوش حالی اس وقت نصیب ہوئی، جب ۱۳۶۹ء میں امیر تیمور گورگان (م ۱۴۰۵ء) کا بول بالا ہوا۔ تیمور نے سمرقند کو اپنی قلمرو کا صدر مقام بنایا اور اس کی شان و

شوکت بحال کرنے کی پر خلوص کوششیں کیں۔ اس کے جانشینوں اور بالخصوص الغ بیگ (م ۱۴۴۹ء) نے شہر کی آن بان میں بے پناہ اضافے کیے۔ بابر سمرقند پر مختصر عرصے کے لیے حکمران رہا مگر سمرقند سے نکلنے کے بعد بھی اس کی خوبصورتی کی تعریف میں رطب اللسان رہا۔ ازبکوں کے عہد میں سمرقند کی اہمیت کم ہو گئی، اور بخارا کے سامنے اس کی عظمت گھٹنا گئی تاہم تجارتی و ثقافتی مرکز کی حیثیت سے یہ وسطی ایشیا کا اہم شہر رہا۔

سمرقند کو تہذیبی و ثقافتی مرکز کی حیثیت سے جو اہمیت حاصل رہی ہے اس کا تقاضا تھا کہ اس شہر اور اس کے گردو نواح کے اہل علم کے بارے میں تذکرے مرتّب ہوتے۔ یہ کہنا تو بہت مشکل ہے کہ سمرقند کے علماء کے بارے میں کل کتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان میں سے کتنی دستبرد زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں تاہم مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی اطلاعات کے مطابق عربی و فارسی میں کم از کم چھ سات کتب موجود ہیں۔

تاریخ سمرقند پر پہلی کتاب جس سے دوسرے مؤرخین نے استفادہ کیا، ابو سعد عبدالرحمٰن بن محمد ادریسی (م ۱۰۱۵ء) کی تالیف "الاکمال لمعرفتہ الرجال سمرقند" ہے۔ اس کے بعد ابوالعباس جعفر بن محمد مستغفری (م ۱۰۴۰ء) نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ ان دونوں حضرات کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے اضافات کے ساتھ ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی (م ۱۱۴۲ء) نے "القند فی ذکر علماء سمرقند" مرتّب کی۔

آخر الذکر کتاب کی تلخیص ابوالفضل محمد بن عبدالجلیل سمرقندی نے تیار کی جو "قندیہ" کے نام سے ایوانوف کی اطلاع کے مطابق سمرقند اور تاشقند سے شائع ہو چکی ہے۔ شمس الدین السخاوی کی بدوایت کے مطابق "القند" کی تلخیص الضیاء المقدسی نے بھی کی ہے۔

"فضائل سمرقند" (فارسی) کے نام سے ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے، جو ابواللیث سمرقندی کی جانب منسوب ہے۔ اس میں سمرقند شہر کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور مکاتب و مساجد کے ذکر کے ساتھ دانش وروں اور اہلِ علم کے احوال درج کیے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا کتب کے بہت عرصہ بعد ابوطاہر بن قاضی ابوسعید سمرقندی (م بعد از ۱۸۳۵ء) نے سمرقند کے رجال و علماء کے بارے میں "سمریّہ" (فارسی) کے نام سے ایک کتاب مرتّب کی۔ اس کے کئی خطّی نسخے ملتے ہیں۔ سمریّہ پہلی بار ۱۹۰۴ء میں پیٹرز برگ سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں ایرانی فضلاء سعید نفیسی اور ایرج افشار کے مقدموں کے ساتھ ایران سے چھپی۔

ابوالفضل محمد بن عبدالجلیل کی قندیہ [تلخیص تالیف نجم الدین عمر نسفی] کے علاوہ اسی نام کی ایک کتاب ملا عبدالحکیم نامی ایک تاجر کتب نے ۱۹۰۹ء میں سمرقند سے شائع کی تھی جو متعدد کتابوں

کے انتخاب پر مبنی تھی۔ اسے دوبارہ ایرج افشار نے ترتیب و حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے۔[6]

ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد نسفی علمی مرتبہ و مقام کے سبب ایک معروف شخصیت ہیں۔ صاحب ہدایہ برہان الدین ابو الحسن علی مرغینانی (م ۱۱۹۷ء) ان کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ ان کی تالیف "العقائد النسفیہ" ایک چھوٹا سا رسالہ ہے مگر بڑے بڑے فاضلوں نے اس پر شرحیں اور شرحوں کے حواشی لکھے ہیں۔ ہر دور میں علمائے کرام نے ان کی تصنیفات سے اعتناء کیا ہے۔ ان کی کئی کتب بار بار شائع ہوئی ہیں، مگر "القند فی ذکر علماء سمرقند" شائع نہیں ہوسکی تاہم ماضی قریب میں اس سے استفادہ کرنے والوں میں شاید مستشرق بارٹولڈ[^] اولین شخص تھے۔ انہوں نے ترکستان سے متعلق انتخاب تیار کرتے ہوئے "القند" سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ان کے سامنے اس کتاب کے تین مختلف خطی نسخے تھے۔ جن میں سے ایک آج بھی لینن گراڈ (پیٹرز برگ) میں موجود ہے۔ سابق سوویت یونین میں "القند" کے نسخے کی موجودگی کے باوجود "القند" کے بارے میں اسماعیل پاشا مؤلف "اسماء المؤلفین و آثار المصنفین" کو اس کتاب کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہ تھیں اور انہوں نے القند کے بارے میں لکھ دیا کہ یہ بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

"القند فی ذکر علماء سمرقند" کا ایک نسخہ ترکی کے "کتب خانہ طرخان والدہ سی" میں موجود ہے۔ جس کا ذکر ڈاکٹر رمضان ششن نے ترکی کے کتب خانوں میں نادر عربی مخطوطات کے حوالے سے کیا ہے۔ گو انہوں نے نسخے کے تعارف میں اسے نجم الدین نسفی کے بجائے مستغفری کی طرف منسوب کیا ہے۔

"کتب خانہ طرخان والدہ سی" کا نسخہ ناقص الطرفین ہے۔ آغاز میں حرف الف سے حرف الخاء تک کسی فرد کا ترجمہ موجود نہیں۔ اسی طرح آخر سے حرف الکاف کے صرف چند تراجم آئے ہیں اور حرف لام سے آخر تک جو اسماء تھے، ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اس ناقص الطرفین نسخے پر مبنی زیر نظر متن تیار کیا گیا ہے جس میں ایک ہزار دس افراد کے تراجم آ گئے ہیں۔

مرتّب جناب نظر محمد الفاریابی کے سامنے کوئی دوسرا نسخہ نہیں تھا اس لیے تقابل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بھی کوشش نہیں کی گئی کہ تاریخ سمرقند سے متعلق مطبوعہ فارسی کتب "سمریّہ" اور "قندیہ" سے استفادہ کیا جاتا۔ کتاب کا آغاز "ابو معاذ بن سلیمان بلخی" کے ترجمہ سے ہوتا ہے اور اسے حرف الخاء کے تحت درج کیا گیا ہے۔

آغاز میں جناب مرتّب نے نہایت اختصار سے مؤلف کے حالات درج کیے ہیں۔ کتاب کے تعارف کے سلسلے میں انہوں نے تاریخ سمرقند پر ابو سعد عبدالرحمن بن محمد ادریسی کی تالیف کا ذکر

کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جب اللادریسی بغداد آئے تو ان کی اس کتاب سے دوسرے اہلِ علم آگاہ ہوئے جنھوں نے اپنی کتب میں اس سے استفادہ کیا۔ نیز نجم الدین عمر بن محمد نسفی نے اللادریسی سے استفادہ کیا تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جناب مرتّب کے پیشِ نظر متن کی اشاعت تھی تاہم اگر وہ اپنے مقدّمے میں زیادہ تفصیل سے کام لیتے تو مفید ہوتا۔ "القند فی ذکر علماء سمرقند" کے ناقص الطرفین متن کی زیرِ نظر اشاعت سے اس امر کا شدّت سے احساس ہوتا ہے کہ دنیا بھر میں موجود عربی مخطوطات کی ایک جامع فہرست مرتّب ہونی چاہیے تاکہ کسی کتاب کے جملہ نسخوں کے بارے میں یکجا معلومات حاصل ہو جائیں اور اہلِ علم ناقص متون کے بجائے حتی الامکان کامل اور جامع متن مرتب کر سکیں۔ زیرِ نظر اشاعت کے باوجود اس کی کامل اشاعت کی ضرورت اپنے طور پر موجود ہے۔ (اختر راہی)

حواشی

۱۔ ڈبلیو۔ ایوانوف Concise Descriptive Catalogue of the Persian Manuscripts in the Collection of the Asiatic Society of Bengal، کلکتہ (۱۹۲۶ء)، جلد دوم، ص ۲۵۲-۲۵۳

۲۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی، "الاعلان بالتوبیخ لمن ذمّ اہل التاریخ" [ترجمہ: ڈاکٹر سید محمد یوسف]، لاہور: مرکزی اردو بورڈ (۱۹۶۸ء)، ص ۲۸۲

۳۔ احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطّی فارسی پاکستان، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۸ء)، جلد دہم، ص ۶۴۹

۴۔ "سمریہ" کا ایک نسخہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ دیکھیے: محمد ظفیر الدین، تعارف مخطوطات کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، دیوبند: دارالعلوم (۱۹۷۳ء)، جلد دوم، ص ۹۳

۵۔ تہران: دانش گاہ تہران (۱۳۴۳ھ ش)

۶۔ تہران: کتاب خانہ طہوری (۱۳۴۴ھ ش)

۷۔ احوال و آثار کے لیے دیکھیے: امتیاز علی خان عرشی، نجم النسفی، ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، مارچ ۱۹۴۶ء، ص ۱۶۵ - ۱۷۷، اپریل ۱۹۴۶ء، ص ۲۶۱-۲۷۵، جون ۱۹۴۶ء، ص ۴۳۸ - ۴۵۳ نیز دیکھیے مقالات عرشی، لاہور: مجلس ترقی ادب (۱۹۷۰ء)، ص ۲۷۲-۳۱۶

۸۔ پروفیسر وسیلی ولیڈمی میروچ بارٹولڈ (م ۱۹۳۰ء) پیٹرز برگ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ ولسانیات سے وابستہ تھے اور انھوں نے ترکستان اور ملحقہ ممالک کی تاریخ پر متعدد کتابیں شائع کیں۔ ان کی اکثر تحریریں